بیسویں صدی میں علم اصول فقہ - ایک مطالعہ

سید محمد اسماعیل*

تمہید:

فقہ کی ابتداء سے لے کر پہلی چار صدیوں میں اس علم میں ہونے والے ارتقاء اور تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) تک اس سارے دور کا احاطہ کرتے ہوئے علماء کرام فقہ کی تاریخ کو چھ یا سات ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ اصول فقہ کی تاریخ بھی فقہ ہی کے ساتھ وابستہ ہے اس لیے اصول فقہ کو بھی درج ذیل سات ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ پہلا دور: عہد رسالت یعنی قانون ساز دور: The Legislative Period

یہ دور آغاز نبوّت خصوصاً ہجرت سے لے کر آنحضرت ﷺ کے وصال مبارک تک کے دور پر مشتمل ہے۔

۲۔ دوسرا دور: دور خلافت راشدہ و مابعد: The Republican Period

یہ خلفائے راشدین سے لے کر پہلی صدی ہجری کے وسط تک کا دور ہے۔

۳۔ تیسرا دور: علم اصول فقہ کے باقاعدہ وقوع کا دور: The dynastic-cum-representative period

پہلی صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو کر دوسری صدی ہجری کے اوائل تک کے عرصہ کو اس دور کا نمائندہ کہا جا سکتا ہے۔

۴۔ چوتھا دور۔ دورِ کمال: The Scientific Research Period

یہ دور دوسری صدی ہجری کے اوائل سے شروع ہوتا ہے اور چوتھی صدی ہجری کے وسط تک جاتا ہے۔

۵۔ پانچواں دور: دور تقلید یا انحطاط کا دور: The Research Fixation Period

یہ دور چوتھی صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو کر ساتویں صدی ہجری کے وسط تک جاتا ہے۔

۶۔ چھٹا دور: جمود کا دور: The Transcription Period

یہ دور ساتویں صدی ہجری کے وسط سے لے کر تیرھویں صدی ہجری کے اواخر تک محیط ہے۔

۷۔ ساتواں دور: دور جدید: The Modren Age

یہ دور تقریباً چودہویں صدی ہجری سے شروع ہو کر تا حال جاری ہے۔

---

*استاد، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

بلاشبہ اصول فقہ کی تاریخ کے حوالہ سے پہلے چار ادوار سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں انہیں تاریخ اصول فقہ کے سنہری دور کی حیثیت حاصل ہے۔ جن میں اجتہاد جو کہ اس فن کا مقصود اصلی ہے اپنی بلندیوں پر نظر آتا ہے۔ پھر ان ادوار میں اس علم کی تدوین کے لیے مناہج و اسالیب کی نہ صرف درجہ بندی ہوئی بلکہ منصوصات سے احکام کے حصول کے لیے تحقیقی کاوشوں کے سبب تدوین کا کام بھی بڑے عروج پر نظر آتا ہے۔ البتہ اس سے مابعد کے ادوار کا حال تذکرہ نگاریوں بیان کرتے ہیں:

''پانچواں دور تقلید اور انحطاط کا دور ہے۔ اس میں اس بات پر اتفاق کر لیا گیا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اور مذاہب اربعہ کافی ہیں۔ فقہاء نے شرعی کتابوں کا اختصار کرنے اور مختصرات کی شروح لکھنے اور کتب فتاوی کی تدوین کرنے پر اکتفا کیا۔ اس دور کے نصف اول میں مذاہب اربعہ کے علماء نے اجتہاد مطلق کا باب بند کرنے کا فتوی صادر کر دیا کیونکہ اجتہادی اہلیت کے لیے جن صفات کی ضرورت تھی ان کا فقدان ہو گیا تھا۔ علماء نے اس خوف سے کہ آگے چل کر بعض جاہل لوگ مدعیان علم بن کر مسند اجتہاد بچھا بیٹھیں اور فقہ کی عالیشان عمارت کو نقصان پہنچائیں کہ جس کی تعمیر صحیح علمی اصولوں پر ائمہ کے ہاتھوں مکمل ہوئی ہے لیکن یہ فتوی ائمہ اربعہ کی طرح اجتہاد مطلق سے متعلق تھا کہ بعد کے ادوار میں اس کی اہلیت مفقود تھی۔ جہاں تک جدید پیش آنے والے واقعات اور معاملات کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں اجتہاد کبھی بھی مسدود نہیں رہا اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔'' [1]

چھٹے دور کے حالات بیان کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر فضل احمد لکھتے ہیں:

''اس دور کو مکمل جمود کا دور کہا جا سکتا ہے پانچویں دور میں جو انحطاط شروع ہوا تھا اس کا یہ ادنیٰ ترین دور ہے اور تقلید محض کا دور دورہ ہے۔ علل و وجوہ کی روشنی میں احکام فقہ پر غور کرنے کی بجائے صرف یاد رکھنے اور موجودہ ذخیرہ کو محض تیار کرنے ہی کو فقہ کی خدمت سمجھا گیا۔ دور سادس تحریر و تصنیف کے اعتبار سے بھی تنزل کا دور ہے اس میں اصول فقہ کی کتابوں میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا اور رجحان ہی بدل گیا اجتہادی صلاحیتیں مفقود ہو گئیں۔'' [2]

تاہم چھٹے دور کے ان تمام نقائص کے باوجود بھی اس دور میں چند ایسے کام ہوئے ہیں جن کا ذکر نہ کرنا نا انصافی ہوگی۔ اس دور کے اہم اور منفرد خصوصیات کے حامل کاموں میں فقہی تطبیقات پر کثرت سے تدوین اور کتب فتاویٰ کی فقہی ابواب پر تالیف شامل ہیں اور یہ وہ منفرد خصوصیات ہیں جو سابقہ ادوار میں نہیں پائی جاتیں۔ اس کے علاوہ اس دور کی کتب میں نظری اصول اور بنیادی احکام کے نتائج کو بھی درج کیا گیا پھر فتاوی کی کتب کو سوالاً جواباً مرتب کرنے کا رواج بھی ہوا۔ حکومت عثمانیہ کے دور میں قانون مدنی پر مبنی ''مجلّہ الاحکام العدلیہ'' ۱۲۹۳ھ میں تکمیل کے بعد رائج ہوا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ فقہی معاملات کے بارے میں ایک ایسی باضابطہ تحریر پیش نظر ہو جو اختلافات سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ سہل المآخذ بھی

ہو اور مفتیٰ بہ اقوال پر مشتمل ہو اور ہر خاص و عام کے لیے یکساں استفادہ کا باعث بن سکے۔ یہ تھیں سابقہ ادوار سے متعلق چند اہم گزارشات اب ساتواں دور جو کہ چودہویں صدی ہجری تا حال جاری ہے اس کا ایک بہت بڑا اور اہم حصہ بیسویں صدی عیسویں پر مشتمل ہے جسے عموماً دور جدید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دور جدید بحیثیت علم اصول فقہ کی احیائے نو کا دور:

سابقہ دور کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو اس صدی میں علم اصول فقہ پر چھائی ہوئی جمود کی گھٹا چھٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ گو کہ یہ عمل اپنی ابتدائی سطح پر ہی ہے مگر علماء اس کی ابتداء کو بڑی حوصلہ افزاء کیفیت کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ یہ ابتداء بعض علماء کے بقول بیسوی صدی میں اجتہاد کی سابقہ روش میں پیدا ہونے والے جمود کو توڑنے کی تحریک سے ہوئی ہے۔ جس کی بدولت اصول فقہ کے میدان میں ایسی تالیفات سامنے آئی ہیں جو محض شروح و حواشی یا تعلیقات پر مبنی نہیں بلکہ اس فن میں فہم و تدبر کی رسائی اور رسوخ حاصل کرنے کی جدوجہد کو ظاہر کرتی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر فاروق حسن جنہوں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ ''فن اصول فقہ کی تاریخ عہد رسالت ﷺ سے عہد حاضر تک'' میں بیسویں صدی سے تعلق رکھنے والے تقریباً چونسٹھ (۶۴) کے قریب اصولیین کا ان کی تصانیف کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ ۳؎ یہ ابتدائی حیثیت سے ایک معتد بہ تعداد ہے اور امت مسلمہ کی اپنے اس عظیم فن میں بیداری کی عکاس ہے۔ جدید علماء اصول نے اپنے اسلاف کے خزینے کو کریدنا شروع کر دیا ہے جس سے دوبارہ اس علم و فن میں تعمیر و ترقی کی امید و کرن نظر آنے لگی ہے۔ امت مسلمہ میں پیدا ہونے والی اس بیداری کو علماء اس شدید تصادم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں جو امت مسلمہ اور مغربی دنیا کے درمیان ایک طویل عرصہ تک برسرپیکار رہا۔ اس پہلو کو ڈاکٹر جمال الدین عطیہ اپنے مقالہ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

> ''چودہویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں بیداری کا آغاز ہوا۔ یہ بیداری اس شدید تصادم کے نتیجہ میں پیدا ہوئی جو عالم اسلام اور مغربی دنیا (خصوصاً یورپ) کے درمیان ایک طویل زمانہ تک مغربی استعمار، مغرب کے فوجی قبضہ اور آزادی کی تحریکوں کے زیر سایہ طویل عرصہ تک برپا رہا۔ مقاومت اور آزادی کی ان تحریکوں کے نتیجہ میں بیشتر مسلم ممالک آزاد ہو گئے اور مغربی سامراج اپنی عسکری طاقتوں کے ساتھ بلاد اسلامیہ سے نکل گیا۔ لیکن ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی استعمار اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ جس سے بلاد اسلامیہ رستگاری کی کوشش کر رہے ہیں۔'' ۴؎

اس بیداری کے نتیجہ میں دور جدید میں اصول فقہ کے میدان میں جو علمی و تحقیقی کام ہو رہا ہے وہ بلاشبہ مسلمانوں کے عروج و ترقی کی راہ میں جمود سے حائل ہونے والی رکاوٹوں کو دور کر رہا ہے۔ اس دور کو ہم مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس دور کے کام کی قدر و قیمت کو متعین کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی کا یہ کہنا بہت بجا معلوم ہوتا ہے کہ:

> ''آج اصول فقہ پر کمی (Quantity) اور کیفی (Quality) دونوں اعتبار سے جتنا کام عرب دنیا

میں ہوا ہے وہ ابتدائی چند صدیوں کے بعد ہونے والے مجموعی کام سے (چند مستثنیات کو نکال کر) زیادہ نہیں تو کم از کم برابر ضرور ہے۔ چودہویں اور پندرھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) کو ہم بلا تامل اصول فقہ کے عہد تجدید اور احیائے نو سے تعبیر کر سکتے ہیں۔" ۵

اصول فقہ کی احیائے نو سے تعبیر کئے جانے والے دور کے رجحانات کا جائزہ لینے سے پہلے یہ مناسب ہے کہ اس دور کے دینی، علمی اور سیاسی پس منظر کا جائزہ لیا جائے تا کہ جدید دور کی تالیفی و تحقیقی کاوشوں پر ان کے اثرات کو سمجھتے ہوئے کوئی رائے آسانی سے قائم کی جاسکے۔

علمی، دینی وسیاسی پس منظر:

ساتویں دور کا علمی، دینی و سیاسی پس منظر چھٹے دور سے بہت وابستہ ہے خصوصاً آخری دو صدیاں یعنی بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے ساتھ جسے علماء نے خالصتاً جمود کے دور سے تعبیر کیا ہے۔ اس دور میں عرب ممالک کے علمی، دینی اور سیاسی پس منظر کا احاطہ شیخ عبداللہ مصطفیٰ المراغی نے اپنی کتاب میں بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے جس کا خلاصہ درجہ ذیل ہے:

علامہ المراغی کے بیان کے مطابق بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں سیاسی طور پر عدم استحکام تھا اور جگہ جگہ فتنے اُٹھ رہے تھے۔ اور تقریباً ہر طرف علمی جمود کی کیفیت طاری تھی۔ مصر میں جہاں دولت عثمانیہ تھی کوئی قابل ذکر علمی کام نظر نہیں آتا۔ ان دونوں صدیوں میں کہیں بھی علماء نے اجتہاد کے حوالہ سے کو خاطر خواہ کام نہیں کیا۔ اصول فقہ پر جو کتب لکھی گئیں وہ طویل مطبوع یا مخطوط کتابوں کا اختصار تھیں یا ان کی شروح وتعلیقات ہوتیں۔ تیرہویں صدی ہجری میں انقلاب فرانس کی آندھی چلی اور ۱۷۹۸ء میں نپولین نے مصر پر قبضہ کر لیا جس کے ردعمل کے طور پر مصر سے فرانسیسیوں کے اخراج کی تحریکوں نے شدت اختیار کر لی۔ ان کے مصر سے اخراج کے بعد محمد علی پاشا (۱۲۲۰ھ تا ۱۲۶۴ھ) بمطابق (۱۸۰۵ء تا ۱۸۴۹ء) نے ایک نئے مصر کی بنیاد رکھ دی مگر اس کے باوجود وہاں ملکی استحکام پیدا نہ ہو سکا جس کی وجہ سے کوئی مؤثر علمی کام نظر نہیں آتا۔ ۶

تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں سید جمال الدین افغانیؒ اور ان کے شاگرد محمد عبدہ علمی جمود کو توڑنے کے لیے اجتہادی فکر کو ترویج دینے میں سرگرم تھے۔ چودھویں صدی ہجری میں برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے وہاں ہر قسم کے دینی علوم وفنون کی اعلانیہ طور پر ترویج میں رکاوٹوں کے سبب علماء خفیہ طور پر یہ کام سرانجام دینے لگے۔ پھر چودہویں صدی ہی میں وہاں سے برطانیہ کا تسلط ختم ہو جانے کے بعد فواد اول کے زمانہ میں جامعہ الازہر میں کچھ علمی و دینی حرکت نظر آنے لگی جو اس وقت کے شیخ الازہر محمد مصطفیٰ المراغی اور استاد محمد عبدہ کے بعض مصلح شاگردوں کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ فاروق اول کے زمانے میں اس کو نمو اور تقویت حاصل ہوئی اور بالآخر یہ ہوا کہ اجتہاد ایک خاص دائرہ میں محدود طور پر کیا جانے لگا جبکہ اس کی تنفیذ عام نہیں تھی بلکہ بعض علاقوں میں تھی۔ ۷

ان تینوں صدیوں میں چند اہم ترین مشہور عرب اصولیین اور ان کی کتب کے نام درجہ ذیل ہیں:

۱۔ شیخ النابلسی، عبدالغنی بن اسماعیل حنفی دمشقی معروف بہ شیخ الاسلام (م۱۱۴۳ھ):

آپ نے اصول "خلاصة التحقيق في بيان التقليد والتلفيق" تالیف فرمائی۔ [8]

۲۔ الجوہری الصغیر، محمد بن احمد ابن ہادی الشافعیؒ (م۱۲۱۵ھ):

آپ نے "رسالة في الاصولي والاصول" تالیف فرمایا جبکہ ہدیۃ العارفین میں اس کا نام "مرقی الوصول الى معنى الاصولي و الاصول" درج ہے اور دار الکتب المصریہ میں اس کا مخطوطہ موجود ہے۔ [9]

۳۔ شیخ الشرقاوی، عبداللہ بن حجازی، شافعیؒ (م۱۲۲۷ھ):

آپ نے "جمع الجوامع" پر ایک نہایت عمدہ رسالہ تحریر کیا۔ [10]

۴۔ شیخ عطار، حسن بن محمد مصری شافعیؒ (م۱۲۵۰ھ):

آپ نے "حاشيه على شرح الجلال المحلي على جمع الجوامع" تالیف فرمائی۔ [11]

۵۔ الشوکانی، محمد بن علی (م۱۲۵۰ھ):

اصول فقہ میں آپ کی مشہور کتاب "ارشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول" ہے۔

۶۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر الدمشقیؒ (۱۲۵۲ھ):

آپ نے "نسمات الاسحار على شرح المنار" تالیف فرمائی۔ [12]

۷۔ الشنقیطی، مصطفیٰ بن محمد المالکی الاصولیؒ (م۱۳۲۸ھ):

آپ نے "نظم الورقات لامام الحرمين" کی شرح "الاقدس على الانفس في الاصول" اور "الموافقات للإمام شاطبی" کی شرح "المرافق على الموافق" لکھیں۔ [13]

۸۔ احمد بک الحسینی، شہاب الدین احمد بن احمد شافعیؒ (م۱۳۳۲ھ):

آپ نے "تحفة الرأى السديد في الإجتهاد و التقليد" تالیف فرمائی۔ [14]

۹۔ محمد عبدالرحمن عید المحلاوی الحنفی (م۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء):

آپ نے "تسهيل الوصول إلى علم الأصول" تالیف فرمائی جو کہ احناف کا بھرپور دفاع کرتی ہے۔ [15]

۱۰۔ شیخ الخضری بک، محمد بن عفیفی (م۱۳۴۵ھ):

آپ نے جدید سہل اسلوب کی حامل کتاب "اصول الفقه" تالیف فرمائی جس میں بغیر کسی فقہی مذہب کی صراحت کے جمع بین الطریقتین منہج اختیار کیا ہے اور اس میں اکثر فقہی فروعات احناف کے مسلک کی موید ہیں۔ [16]

۱۱۔ شیخ، بخیت المطیعی مفتی مصر (م۱۳۵۴ھ):

آپ نے ''نھایۃ السؤل فی علم الاصول'' اور ''البدر الساطع علی مقدمۃ جمع الجوامع'' تالیف فرمائیں۔ [۱۷]

۱۲۔ ابو الفتح، احمد ابراہیم بک (م۱۳۶۴ھ):

آپ نے ایک جامع مباحث مختصر رسالہ ''علم اصول الفقه و یلیه تاریخ التشریع الاسلامی'' تالیف فرمایا جو کہ فقہاء کے طریقہء تدوین کا عکاس ہے۔ قانون وضعی کے ساتھ مقارنہ اس کی اہم خصوصیت ہے۔ [۱۸]

۱۳۔ عبد الوھاب خلاف بک (م۱۳۷۶ھ):

آپ نے'' علم اصول الفقه'' تالیف فرمائی جو کہ اصول فقہ جیسے مشکل فن میں واقعی سہل نگاری کا ایک نمونہ ہے۔ [۱۹]

۱۴۔ محمد ابو زہرہ (م۱۳۹۴ھ):

آپ کی کتاب ''اصول الفقه'' جدید تحقیقی، تقابلی و جمع بین الطریقتین منہج کی عکاس ہے۔ [۲۰]

۱۵۔ الدکتور وہبہ الزحیلی:

آپ نے اصول میں متعدد کتابیں تالیف فرمائیں ہیں جن میں سب سے مفصل ''اصول الفقه الاسلامی'' ہے۔ بسیط اسلوب تحریر، حسن تنظیم، معتدل توضیح اور جدید فنی و تحقیقی اوصاف کی حامل ہے۔ جمع بین الطریقتین منہج پر مشتمل اسلاف کی کتابوں نچوڑ ہے۔ [۲۱]

برصغیر پاک و ہند کا علمی و سیاسی پس منظر:

برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے لے کر ۱۹۴۰ء میں قرار داد لاہور منظور ہونے تک برطانوی سامراج کا تسلط رہا۔ چونکہ انگریزوں نے یہاں مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی۔ اس لیے سب سے زیادہ نقصان، مشکلات اور مصیبتیں مسلمانوں ہی کو جھیلنا پڑیں۔ مسلمانوں کے روایتی تعلیمی ادارے ایک ایک کر کے بند ہو رہے تھے جبکہ اسکول و کالج کا مغربی نظام روز افزوں جڑیں مضبوط کرنے لگا تھا۔ سیاسی اور اقتصادی معاملات سب کے سب انگریزی قوانین کے تحت چل رہے تھے۔ انگریزی عدالتوں نے دینی و مذہبی بنیادوں پر قوانین کو استوار کیا۔ مسلمانوں سے متعلق قوانین کا اجراء اعلانیہ طور پر ان الفاظ میں تھا کہ:

> ''مسلمانوں کا دستور العمل تمام معاملات، وراثت، شادی بیاہ، رسومات، قومی و فرقہ ورانہ مسائل میں قرآنی شریعت کے مطابق رہے گا۔'' [۲۲]

ڈاکٹر فضل احمد کے مطابق اس طرح تمام جج اور وکلاء مسلمانوں کے مقدمات میں شریعت اسلامی اور فقہ کی عربی کتابوں کی طرف رجوع کرنے لگے اور اس طرح فقہی کتابوں کے تراجم اور ان کا مطالعہ کیا جانے لگا۔ تاہم اس سلسلے میں جو ایک نئی روش سامنے آئی وہ مغربی دنیا کے سامنے انگریزی زبان میں انگریزی اصطلاحات اور انگریزی اسلوب میں اصول فقہ

کو پیش کرنے کی تھی۔ اس رجحان کے قائم کرنے والے مسلمان قانون دان جسٹس سر عبدالرحیم تھے۔[۲۳] اس نئے رجحان کے علاوہ مجموعی طور پر برصغیر کے علمی پس منظر کا جائزہ لیں تو جو مشہور اصولیین اس دور میں نظر آتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے قاضی محبّ اللہ بہاریؒ کی ''مسلم الثبوت'' ہے۔ اس کتاب کی قبولیت اور شہرت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ برصغیر کے علاوہ ترکی، مصر، شام اور افغانستان کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں یہ بطور نصاب شامل ہے۔ دوسری اہم مشہور و معروف درسی کتاب فقیہ ملا جیونؒ (م ۱۱۳۰ھ) کی ''نور الانوار'' ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اصلاح کے علمبردار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی کتابوں ''حجۃ اللہ البالغۃ''، ''الانصاف'' اور ''عقد الجید'' میں بعض اہم اصولی مباحث جن میں اجتہاد، اجماع اور سنت کی تعبیر و تفسیر وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کتابوں نے علمی حلقہ اور علماء کرام کے ذہنوں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان بڑے ناموں کے علاوہ جو علمائے اصول معروف و مقبول ہوئے ان میں درجہ ذیل اصولیین شامل ہیں:

۱۔ بحر العلوم، مولانا عبدالعلی لکھنوی حنفیؒ (م ۱۲۲۵ھ):

آپ کی اصول میں اہم تالیفات ہیں جن میں ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت فی اصول الفقه''، بڑی شہرت کی حامل ہے اس کے علاوہ ''تکملہ شرح تحریر الاصول''، ''تنویر المنار'' یہ المنار کی فارسی شرح ہے اور ''شرح اصول بزدوی'' بھی تحریر فرمائیں۔ شاہ احمد رضا خان بریلوی ۱۳۴۰ھ نے فواتح الرحموت پر حواشی لکھے ہیں جو کہ تقریباً ۴۱۷ صفحات پر محیط ہیں (غیر مطبوع)۔ [۲۴]

۲۔ مولانا شاہ اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ):

آپ نے ''اصول فقہ'' پر عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ تالیف فرمایا جو کہ سہل الفہم اور بہت ہی مفید ہے۔ [۲۵]

۳۔ مولانا حبیب اللہ قندہاریؒ (م ۱۲۶۵ھ):

آپ نے اصول میں ''مغتنم الحصول فی علم الاصول'' تالیف کی۔ [۲۶]

۴۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفیؒ (۱۳۰۴ھ):

آپ نے نور الانوار پر حاشیہ تالیف کیا۔ [۲۷]

۵۔ نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ):

آپ نے منفرد حیثیت سے غیر تقلیدی رجحان کی حامل اصول میں ''حصول المامول من علم الاصول'' تالیف فرمائی۔ [۲۸]

اس دور کے علمی، دینی و سیاسی پس منظر اور اہم علمائے اصول کے تعارف کے بعد مناسب ہے کہ دور جدید کے تہذیبی و ثقافتی رجحانات سے شناسائی حاصل کی جائے تا کہ علم اصول فقہ پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا جا سکے۔

دور جدید کے تہذیبی وثقافتی رجحانات:

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ عالم اسلام اور مغرب کے مابین طویل تصادم کے ردعمل کے طور پر مسلمانوں میں پیدا ہونے والے تہذیبی وثقافتی رجحانات کو درج ذیل تین رخوں میں متعین کرتے ہیں:

۱۔ مغرب کے سامنے تہذیب وثقافت کے میدان میں سپر اندزی کا رجحان

۲۔ مغرب کو مکمل طور پر مسترد کرنے کا رجحان

۳۔ سابقہ رجحانات کے مابین متوسط رجحان

ان رجحانات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''پہلا رجحان مغرب کے سامنے تہذیب و ثقافت کے میدان میں سپر اندازی کا تھا۔ یہ رجحان رکھنے والے لوگ اس بات کے داعی ہو گئے کہ مغربی زندگی کے تمام مظاہر کو اپنانا ضروری ہے خیر وشر کی ادنی تمیز کئے بغیر۔ اس رجحان کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب وثقافت کا دائرہ انتہائی تنگ ہو کر عقیدہ، عبادات اور پرسنل لاء میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور زندگی کے باقی شعبے اسلامی تعلیمات کے سایہ سے محروم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بلکہ یہ تینوں میدان (عقیدہ، عبادات، احوال شخصیہ) بھی رفتہ رفتہ اس رجحان کی زد میں آجاتے ہیں اور تدریجاً ان شعبوں سے بھی اسلام کی حکمرانی ختم ہو جاتی ہے۔'' ۲۹

دوسرے رجحان کی وضاحت ڈاکٹر صاحب یوں بیان فرماتے ہیں:

''دوسرا رجحان مغرب کو مکمل طور پر مسترد کر دینے کا ہے۔ اس رجحان کو اپنانے والے لوگ اس بات کے داعی ہیں کہ مغرب سے آنے والی ہر چیز (تہذیب وثقافت، علوم وفنون وغیرہ) کو مسترد کر دیا جائے اور زندگی کے جو مظاہر اسلام کے دور زریں میں تھے ان کی پاسداری اور حفاظت کی جائے۔ اسلام کی اقدار ومبادی کو مضبوطی سے تھامے رکھا جائے۔ یہ رجحان رکھنے والوں کے یہاں اسلام کے علمی سرمایہ کا دائرہ یہیں تک محدود تھا کہ قدیم کتابوں کی از سر نو اشاعت وتحقیق کی جائے اور اسی سرمایہ کی تحقیق و مطالعہ پر ساری توجہ مرکوز رکھی جائے۔ تمام مسلمانوں کو اسی کے گرد یکجا کیا جائے۔'' ۳۰

تیسرا متوسط رجحان جس نے سابقہ دونوں رجحانات کے مابین رُخ اختیار کیا اس کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''تیسرا رجحان یہ ہے کہ مغرب نے طبیعاتی و سائنسی علوم میں جو ترقی کی ہے وہ دراصل اسی علمی ترقی کا امتداد ہے جسے یورپ نے مسلمانوں سے ان کی علمی اور تہذیبی عروج کے زمانہ میں حاصل کیا

اور اسے مزید ترقی دی۔ جبکہ مسلمانوں نے ان علوم کو چھوڑ دیا اور گہری نیند سو گئے۔ اس کے نتیجے میں عالم اسلام پر وہ کمزوری طاری ہوئی جو بلاد اسلامیہ پر مغرب کے تسلط اور استعمار کا پیش خیمہ ثابت ہوئی لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان علوم پر پوری توجہ صرف کریں۔ اس لیے کہ یہ علم انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ جہاں تک انسانی علوم اور ان میں بیان کردہ اقدار و اخلاقیات کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں اسلام کا جو علمی سرمایہ ہے اس کی حفاظت کرنے اور اسے ترقی دینے کی بے حد ضرورت ہے تاکہ ہمارا علمی سرمایہ عصر حاضر کی ضرورتوں کو پورا کر سکے اور مسلمانوں کی مصالح کو بروئے کار لا سکے جس طرح مسلمانوں کی علمی ترقی کے پہلے دور میں اس نے مسلمانوں کی مصالح پوری کیں۔'' ۴۱

یورپ سے آزادی کے بعد ان رجحانات کا ردعمل کے طور پر پایا جانا بہت حد تک قدرتی ہے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے یہ رجحانات سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلا رجحان تو سراسر الحادی ولادینی رویہ ہے جبکہ دوسرا اسلامی روایات کا پاسبان ہے جبکہ تیسرا جدید ترقی پسند رویوں کی ترجمانی کرتا ہے۔ موجودہ صدی میں ان رجحانات کا جو کردار رہا ہے ان پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جمال الدین عطیہ اپنے خیالات کا اظہار درجہ ذیل اقتباس میں کرتے ہیں جو کہ بہت حد تک قرین قیاس ہے لکھتے ہیں:

''دوسرا رجحان رکھنے والوں نے اپنے افکار و خیالات بہت سی تصنیفات اور مقالات میں پیش کیے ہیں ان تصنیفات میں دفاعی رنگ غالب ہے۔ ان کا مقصد اسلام کے محاسن کا اظہار اور اسلام کے کھلے دشمنوں نیز پہلے رخ کے حامیوں کے اسلام پر اعتراضات کی تردید ہے۔ کیونکہ اسلام کے دشمنوں اور پہلے رخ کے حامیوں نے زندگی کے میدانوں سے اسلام کو دور کرنے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے متحدہ محاذ بنالیا ہے۔ اس دفاعی تحریک نے اسلامی تہذیب و ثقافت پر مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنے اور انہیں اسلامی عقاید و اقدار سے وابستہ کرنے میں قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ لیکن دفاعی رنگ رکھنے میں تصانیف و مقالات کا سلسلہ برابر جاری رہنے سے ایک ہی بات کی بار بار تکرار ہونے لگی لہٰذا تکرار و اعادہ کا یہ عمل زیادہ مفید نہیں رہ گیا۔'' ۴۲

گو کہ ڈاکٹر صاحب اس تکرار و اعادہ کے عمل کو مفید نہیں سمجھتے لیکن اس رجحان کے استحکام، ترویج اور ایک نسل سے دوسری نسل تک اس پہلو کو منتقل کرنے کے لیے یہ تکرار و اعادہ حد درجہ ضروری ہے ہاں البتہ اس رجحان کے دائرہ کار کو مزید وسعت دینا بھی اس کی بقا کے لیے ضروری ہے اور اس سلسلہ میں حالات و زمانہ کی تبدیلیوں پر کڑی نظر رکھتے ہوئے اور تبدیلیوں یا مسائل کو اسلامی تعلیمات کے تحت معیار و اعتدال کی باریک چھلنیوں سے گزارتے ہوئے اپنانے یا مسائل کے حل کرنے سے ہی اس کی حفاظت ممکن ہو سکتی ہے۔ تیسرے رجحان کی عصری حالت کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''موجودہ زمانہ میں تیسرا رخ اختیار کرنے والوں کو مزید مددگار مل گئے۔ اس گروہ نے مختلف طریقوں سے اپنا نظریہ پیش کیا۔ ان کے نزدیک بنیادی مسئلہ ایک ہی ہے خواہ اس کے نام اور عنوان مختلف ہوں، خواہ یہ بحث قدیم و جدید کے موضوع پر ہو یا ثبات اور تغیّر پذیری کے عنوان سے یا اجتہاد کا دروازہ کھولنے کے عنوان سے یا علوم وفنون کو اسلامیانے کے عنوان پر بہر حال بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اجتہاد کا عمل موقوف ہو جانے اور چند صدیوں تک اسلامی زندگی میں جمود آ جانے کی وجہ سے جو عملی اور تہذیبی خلا پیدا ہو گیا ہے اسے مسلمان کس طرح پر کریں؟ اور یہ کھائی کس طرح پار کریں؟ مسلمان موجودہ دور میں اسلام کے زیر سایہ زندگی کا آغاز کس طرح کریں؟ دسیوں سالوں سے یہ قضیہ بحث و نظر کے میدان میں ہے اور راستہ دریافت کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ اسی دائرہ میں بعض تحقیقات عصر حاضر کی مشکلات کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظرہ پیش کرتی ہیں ان میں سے کچھ چیزیں عام تحریروں کی صورت میں ہیں اور کچھ یونیورسٹیوں میں پیش کردہ مقالوں کی صورت میں۔ اس موضوع کی عام تحریروں نے مسلمانوں کو بیدار کرنے، اسلامی زندگی کے بنیادی خطوط اور عمومی نشانیوں کی وضاحت کرنے کے سلسلہ میں گراں قدر خدمت سرانجام دی ہے اور اس بیداری میں سے ایک اسلامی لہر پیدا ہوئی ہے جو دن بدن مضبوط عمیق اور دور رس ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن جس طرح ہم نے دفاعی تحریروں کے بارے میں کہا تھا یہاں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ عمومی تحریروں کی صورت میں جو کتابیں سامنے آ رہی ہیں وہ ایک ہی بات کی تکرار کرتی ہیں اور ان میں کوئی نئی افادیت محسوس نہیں ہوتی۔'' ۳۳

بیسویں صدی میں اصول فقہ کی تدوین کے رجحانات:

بیسویں صدی کے تاریخی پس منظر اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے تہذیبی و ثقافتی رجحانات کا واضح اثر علوم اسلامیہ میں بنیادی حیثیت رکھنے والے اس عظیم الشان علم اصول فقہ پر بھی پڑا۔ اس دور میں لکھی جانے والی کتابوں میں یہ عنصر واضح طور پر موجود ہے کہ ایک طبقہ نے اپنے اسلاف کی یادداشتوں کو زندہ کیا اور انہی کی تفسیر و توضیح یا تسہیل کی اور اس کی نشر و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جبکہ دوسرا طبقہ مغربی استعمار سے متاثر ہے اور اسلامی فکر کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے دونوں طبقات کی خصوصیات کو یکجا کرنا چاہتا ہے۔ ایک طبقہ غیر جانبداری کے ساتھ کسی فقہی مذہب یا اصولی مسلک اختیار کیے بغیر تقابلی انداز میں تحقیقی کاوشوں کے نتائج پیش کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ لہٰذا جدید دور میں علم اصول فقہ پر تالیفات کو مجموعی طور پر درج ذیل تین رجحانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اسلاف کی کتب اصول کی عرق ریزی کے بعد سہل انداز میں پیش کرنے کا رجحان اور بیسویں صدی میں اسی رجحان کو برتری حاصل ہے۔ اسے سہولت کے لیے روایتی اسلوب کی تسہیل کہہ سکتے ہیں۔ اس کو درج ذیل دو

حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا۔ معروف کتب کی آسان شروحات و حواشی لکھنے کا رجحان

ب۔ جمع بین الطریقتین اور روایتی اسلوب کی تسہیل میں مستقل تحقیقی و درسی تالیفات کا رجحان

۲۔ تقابلی مطالعہ کا رجحان جو کہ کسی فقہی یا اصولی مذہب کی جانبداری کے بغیر مختلف مذاہب کے ائمہ یا اصولیین کے نزدیک مستند آراء کے تقابلی مطالعہ اور موازنہ اور کسی قدر ترجیحی آراء کو بیان کرنے پر مبنی ہے۔

۳۔ مغربی اصول قانون کے تحت پیدا ہونے والا رجحان جو کہ دو جہتوں میں ہے:

ا۔ عرب ممالک میں فرانسیسی اصول قانون سے متاثر رجحان

ب۔ برصغیر میں انگریزی اصول قانون سے متاثر ہونے والا رجحان

جدید مغربی اصول قانون کے اثر سے معاصر اصولیین نے تالیفات میں جو ترتیب نو اختیار کی ہے ان کے مذکورہ بالا دونوں رجحانات کی وضاحت ڈاکٹر محمود احمد غازی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''جدید مغربی اصول قانون کے اثر سے بہت سے معاصر اہل علم نے اصول فقہ کے مضامین کو نئے انداز سے مرتب کرنا شروع کیا ہے۔ اس ترتیب نو کے دو بڑے بڑے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک رجحان جو دنیائے عرب میں پایا جاتا ہے وہ اصول فقہ کے موضوعات کو فرانسیسی اصول قانون کی ترتیب سے مرتب کرنے کا ہے۔ اس رجحان کے ابتدائی اور پیش رو نمائندوں میں معروف دوالیبی، مصطفیٰ زرقا، صبحی محمصانی اور سلام مدکور وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ ان حضرات میں بیشتر کی اصل اور بنیادی تعلیم اسلامی علوم اور بالخصوص فقہ اسلامی کی تھی۔ جس کو انہوں نے اسلامی ماخذ و مصادر اور فقہ اسلامی کے جید اساتذہ سے پڑھا اور سمجھا تھا۔ بعد میں ان حضرات نے فرانس کی درسگاہوں میں فرانسیسی زبان اور قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں اور تصورات پر وہاں کی جامعات میں مقالات لکھے اور یوں فقہ کے اسلامی کے موضوعات کو فرانسیسی اسلوب میں پیش کرنا سیکھا۔''[۳۴]

دوسرا رجحان جو کہ برصغیر سے متعلق ہے اس کو ڈاکٹر محمود احمد غازی یوں واضح کرتے ہیں:

''اس سلسلہ کا دوسرا بڑا رجحان برصغیر میں سامنے آیا جہاں انگریزی قانون کی فرمانروائی اور انگریزی اُسلوب کی حکمرانی تھی۔ یہاں کے مسلمان اہل علم نے اصول فقہ کے مباحث کو انگریزی اصول قانون کے انداز میں مرتب کرنے کی طرح ڈالی۔ اس رجحان کے اولین نمائندہ جسٹس عبدالرحیم تھے۔ ان کی کتاب (Principles of Muhammadan Jurisprudence) اس اعتبار سے اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی کہ اس میں اصول فقہ کے مباحث کو انگریزی اصول قانون کے اُسلوب میں

بیان کیا گیا تھا۔ اس کتاب نے انگریزی تعلیم یافتہ اور قانون دان طبقہ میں اصول فقہ کے مباحث کو متعارف کرایا۔'' ۳۵؎

جدید دور میں لکھی جانے والی کتب اصول کی خصوصیات:

مجموعی طور پر بیسویں صدی میں علم اصول فقہ پر لکھی جانے والی اکثر کتابیں جدید تحقیق اور سہل اُسلوب کی حامل ہیں۔ ان میں پائے جانے والے رجحانات کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ اصول فقہ کی ان کتابوں میں سب سے بنیادی خصوصیت یہ پائی جاتی ہے کہ انہیں بڑی محنت اور تحقیق کے ساتھ اسلاف کی قدیم کتابوں میں سے مواد کو جمع کر کے عصری اُسلوب میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں دسیوں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں ماٰخذ تک رسائی حاصل کر کے عمیق مطالعہ اور نہایت مفید نتائج کی روشنی میں انہیں ترتیب دیا ہے۔ قدیم کتب اصول میں بہت سی اصولی بحثیں بڑی دقیق ہیں اور بعض بحثوں کو اصولیین نے من حیث المجموع اس فن میں اضافی اور غیر مفید قرار دیا ہے جیسے لغت سے متعلق ابتدائی دقیق بحثیں یا حسن وقبح کی اضافی کلامی نوعیت کی بحثیں وغیرہ۔ ان تالیفات کا بڑا مقصد طلباء کو اصولی بحثوں سے روشناس کروا کر ان میں وہی پختگی پیدا کرنا ہے کہ وہ اسلاف کی کتب سے بھرپور استفادہ کے قابل ہوسکیں۔ جدید مؤلفین نے ان قدیم کتابوں کے ضروری مواد کو آسان الفاظ وتراکیب کی جدید ترتیب کے ساتھ تحقیقی ضرورتوں کو پورا کرتے ہوئے پیش کر کے واقعی ایک گراں قدر خدمت سرانجام دی ہے۔ شیخ محمد الخضری بک، عبدالوہاب خلاّف، بدران ابوالعینین بدران، ڈاکٹر وھبہ الزحیلی وغیرہ کی کتابوں میں عنصر کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

۲۔ ان اصول فقہ کی کتابوں میں پائی جانے والی دوسری بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں اکثر ایسی ہیں جن میں کسی متعین یا پہلے سے طے شدہ اصولی یا فقہی مذہب کی پابندی نہیں کی گئی۔ بعض کتابوں میں کچھ مواقع مل جاتے ہیں جن میں مذہبی تعصب نظر آتا ہے۔ اور کچھ مذہبی دفاع کی مکمل عکاسی بھی کرتی ہیں مگر ایسی بہت کم ہیں۔ مجموعی طور پر جو رجحان کارفرما ہے وہ یہی ہے کہ فقہ واصول فقہ کے پورے سرمایہ کو مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ قرار دیتے ہوئے بحیثیت مجموعی علماء اصول کے خیالات کو پیش کیا جائے۔ اس طرح فقہی مذاہب اور مختلف اصولی نقطہ ہائے نظر کے مابین ایک مثبت اور صحت مندانہ تقابلی مطالعہ کے رواج کو فروغ دیا جائے۔ اس نظریہ کو جن کتابوں میں خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے ان میں استاد مصطفیٰ احمد الزرقا، شیخ محمد ابوزھرہ، محمد سلام مدکور، ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری اور عبدالکریم زیدان وغیرہ کی کتب اصول شامل ہیں۔

۳۔ ان کتابوں میں ایک اہم خصوصیت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ بعض مؤلفین نے قانون وضعی یا مغربی اصول قانون اور ان میں کارفرما تصورات کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔ عرب مصنفین کو اس ضمن میں خصوصیت حاصل ہے۔ انہوں نے اصول فقہ کے نظریات وتصورات کا تقابل مغربی قانون کے اصولوں سے کیا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بقول

اس تقابل سے بہت سی ایسی غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں جو بعض مغربی مصنفین کی تحریروں سے پیدا ہوئی تھیں۔ مثال کے طور پر بعض مغربی مصنفین نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ فقہ بالعموم اور اصول فقہ کے بعض نظریات بالخصوص رومن قانون سے ماخوذ ہیں۔ چند جزوی مشابہتوں کے ادھر ادھر سے جمع کر کے مغربی مصنفین یہ لکھنے لگے تھے کہ یہ چیزیں رومن لاء کے زیر اثر اسلامی قانون میں داخل ہوئیں۔ تقابلی مطالعہ سے یہ غلط فہمی دور ہونے لگی اور اسلامی قانون کے اصل ماخذ اور اصولوں کے ارتقائی مطالعہ نے اس تاثر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر ڈالا۔ قانون وضعی کے ساتھ اس تقابل کی نوعیت زیادہ تر قانون وضعی کے نقائص کو عیاں کرنے کی ہے لیکن بعض کتابوں میں یہ نوعیت وضاحتی انداز کو ظاہر کرتی ہے۔ مغربی یا فرانسیسی قانون سے متاثر کتابوں میں اس تقابل کے نتیجہ میں مرعوبیت کا عنصر بھی نظر آتا ہے جو کہ ان کتابوں کے رجحانات اور مباحث کی ترتیب وتبویب سے بخوبی عیاں ہوتا ہے سرسید امیر علی، سر عبدالرحیم، صبحی محمصانی، محمد حسن الخطیب اور مولانا تقی امینی وغیرہ کی کتابیں اس پہلو کی بخوبی عکاسی کرتی ہیں۔ بہر حال تقابلی منہج جس بھی نوعیت کا ہو اس کے استعمال کرنے سے محققین کو بہت سے علمی خزانوں کی دریافت میں مدد ملی ہے۔ ڈاکٹر جمال الدین عطیہ کے مطابق یہ علمی خزانے اتنے مخفی تھے کہ اگر تقابلی مطالعہ کو پورے انصاف اور غیر جانبداری سے انجام دینے کی شدید خواہش نہ ہوتی تو وہ خزانے مدفون ہی رہ جاتے۔

۴۔ اصول فقہ کی ان عصری کتابوں میں نظریہ سازی کا عنصر بھی نمایاں ہے جیسا کہ نظریہ سازی ہی اصولی مباحث کا مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ ان کتابوں میں اصول وقواعد کی تعریفات، امثلہ کے ذریعے ان کی تشریح و توضیح، لغوی و اصطلاحی مفہوم میں تطابق، نظری مباحث کے ذریعے ان کی تنقیح، ائمہ کی آراء کا موازنہ، اصولوں کی تقسیم، ان کی خصوصیات، شرائط وارکان، ان کا حکم اور فروعات پر ان کا اثر وغیرہ ان سب امور کو مسقط طور پر بیان کرنا نظریہ سازی ہی کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ ان نظریات کی حیثیت جیسا کہ فروعی مسائل کے لیے اصولوں کی ہوتی ہے۔ اور فقہی نظریات کے قائم کرنے میں بھی انہیں عمل دخل ہے۔ لہٰذا ان تالیفات کا کردار بہت اہم ہے تاہم جدید نسل کو قدیم روایات سے روشناس کرانے میں یہ کتابیں اہم خدمت سر انجام دے رہی ہیں۔

۵۔ فقہاء کا اسلوب فقہی فروعات سے زیادہ قریب ہونے کے باعث عملی میدان میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ ائمہ مذاہب کے دور سے لے کر چھٹے جمود کے دور تک عملی طور پر اسے ہی برتری حاصل رہی ہے اور آج جدید دور میں یہ اسلوب خاص طور پر بڑے مؤثر انداز میں ان جدید کتابوں میں شامل ہوا ہے۔ جیسا کہ بہت سے عصری اصولیین نے اپنی تالیفات میں نظری وکلامی دقیق بحثوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، غیر تقلیدی روش کے ساتھ پہلے سے بغیر کسی فقہی مذہب کے تعین کے اصولی مباحث کو بیان کیا ہے۔ یہ طریقہ قدرتی طور پر فقہی فروعات کے ساتھ اس فن کی براہ راست وابستگی کی بدولت طریقۃ الفقہاء ہی کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ اس سلسلہ میں

متاخرین کا طریقہ جمع بین طریقین دراصل فقہاء احناف ہی کے طریقہ کی ایک صورت تھا۔ متاخرین اُصولیین نے فقہاء ہی کے اُسلوب کو جمع بین طریقتین کی شکل عطا کی تھی جس کو مختلف مسائل میں اَئمہ کی آراء کے تقابلی جائزہ نے مزید مضبوط کیا تھا۔ یہ متاخرین کے اس سابقہ دور کی ضرورت تھی۔ آج جدید دور میں جمود کے کٹھن مرحلہ سے گزرنے کے بعد اب جبکہ علمی خلا کو پُر کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں تو اس میں جدید اُصولیین کا جمع بین طریقتین منہج امت کی اصول فقہ کے میدان میں صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے اصولی مباحث کو جدید آسان فہم اُسلوب میں پیش کر کے اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ یہ جدید جمع بین طریقتین منہج بھی فقہاء احناف کے منہج ہی کی ایک صورت ہے جسے اصولیین نے جدید آسان فہم فقہی اُسلوب سے مزین کیا ہے اور یہی دور جدید کی ضرورت ہے۔

۶۔ برصغیر میں لکھی جانے والی کتابوں کی تعداد بہت کم ہے اور جو کتب مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان کا مقصد اصولی مباحث کی تسہیل ہے۔ خاص طور پر جو کتابیں اردو زبان میں لکھی گئی ہیں وہ اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ چونکہ طلباء میں عربی سے براہ راست وابستگی نہ ہونے کی بدولت ابتدائی طور پر اصولی مباحث سے روشناس ہونے میں دقت پیش آتی ہے لہٰذا پہلے مادری زبان میں انہی اصولوں کے مطالعہ کو مفید گردانتے ہوئے ابتدائی نوعیت کی آسان فہم کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ کچھ کتابیں اختصاصی نوعیت کی بھی حامل ہیں جیسے ڈاکٹر احمد حسن، حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، مولانا معین الدین خٹک، شریعہ اکیڈمی (اختصاصی مطالعہ کورس کے یونٹ جن کی تعداد چوبیس ہے) وغیرہ مگران میں ابھی بہت بہتری کی گنجائش ہے۔ مولانا اَنور بدخشانی نے خاص طور پر اصول فقہ کی عربی زبان میں طلباء کے لیے جو کتاب لکھی ہے وہ عہد حاضر میں ایک عمدہ کاوش ہے۔ برصغیر میں علم اصول فقہ کا اکثر ذخیرہ تراجم، شروحات وتعلیقات وغیرہ پر مبنی ہے جس کے احاطہ کے لیے الگ سے مستقل عنوان کے تحت مقالہ ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔

هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام!

حوالہ جات وحواشی

۱۔ اصول فقہ کا ارتقائی مطالعہ تاریخی تناظر میں، ڈاکٹر فضل احمد،ص۳۰، ماہنامہ البلاغ کراچی، اگست ۱۹۹۴ء

۲۔ ایضاً

۳۔ فن اصول فقہ کی تاریخ: عہد رسالت ﷺ سے عہد حاضر تک، ڈاکٹر فاروق حسن،ص ۶۳۵ ـ ۶۴۸، دار الاشاعت کراچی ، اکتوبر ۲۰۰۶ء

۴۔ فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ڈاکٹر جمال الدین عطیہ، مترجم مولانا عتیق احمد قاسمی،ص ۲۱۰، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۱۹۷۷ء

۵۔ علم اصول فقہ ایک تعارف، ڈاکٹر محمود احمد غازی،ص ۲/ ۴۵، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، ۲۰۰۵ء

۶۔ الفتح المبین فی طبقات الأصولیین، عبداللہ مصطفیٰ المراغی،ص ۱۱۲ـ۱۱۴، محمد امین دمج بیروت، س۔ن

۷۔ فن اصول فقہ کی تاریخ،ص ۵۸۹

۸۔ ہدیۃ العارفین فی اسماء المؤلفین و آثار المصنفین، اسماعیل باشا بغدادی (م۱۳۳۹ھ)،ص ۵/ ۵۹۰ دار الفکر بیروت، ۱۹۸۲ء ؛ معجم الاصولیین، محمد مظہر بقا،ص ۲/ ۲۱۸(۴۵۰)، جامعہ ام القریٰ مکۃ مکرمہ، ۱۴۱۴ھ

۹۔ ہدیۃ العارفین،ص ۶/ ۳۵۲ ؛ الفتح المبین،ص ۳/ ۱۳۶

۱۰۔ الفتح المبین،ص ۳/ ۱۳۹

۱۱۔ ہدیۃ العارفین،ص ۵/ ۳۰۱ ؛ معجم الاصولیین،ص ۲/ ۵۸(۲۹۲)

۱۲۔ الفتح المبین،ص ۳/ ۱۴۷

۱۳۔ ایضاً،ص ۳/ ۱۶۲

۱۴۔ ایضاً،ص ۳/ ۱۶۷ ؛ معجم الاصولیین،ص ۱/ ۸۹(۵۸)

۱۵۔ تسہیل الوصول إلی علم الأصول، محمد عبدالرحمن عید المحلاوی، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۳۱۴ء، مکتبہ صدیقیہ ملتان، س۔ن ؛ تفصیلی تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''بیسویں صدی میں اصول فقہ پر لکھی جانے والی کتب (ایک تحقیقی مطالعہ)'' مقالہ برائے ایم فل، سید محمد اسماعیل،ص ۹۰، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب لاہور۔

۱۶۔ اصول الفقہ، محمد الخضری بک، مطبع الاستقامہ قاہرہ، ۱۹۶۲ء ؛ تفصیلی تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''بیسویں صدی میں اصول فقہ پر لکھی جانے والی کتب (ایک تحقیقی مطالعہ)''،ص ۹۵

۱۷۔ الفتح المبین،ص ۳/ ۱۸۰

۱۸۔ علم اصول الفقہ ویلیہ تاریخ التشریع الاسلامی، احمد ابراہیم بک، دار الانصار قاہرہ، ۱۹۳۹ء ؛ بیسویں صدی میں اصول

فقہ پر لکھی جانے والی کتب (ایک تحقیقی مطالعہ) ، ص ۱۰۲
۱۹۔ علم اصول الفقہ ،عبدالوھاب خلاّف، دار الحدیث قاہرہ،۲۰۰۳ء ؛ الفتح المبین ،ص ۲۰۸ ؛ بیسویں صدی میں اصول فقہ پر لکھی جانے والی کتب (ایک تحقیقی مطالعہ)،ص ۱۰۶
۲۰۔ اصول الفقہ ،محمد ابو زہرہ، دار الفکر العربی قاہرہ، ۱۹۵۸ء ؛ بیسویں صدی میں اصول فقہ پر لکھی جانے والی کتب (ایک تحقیقی مطالعہ) ، ص ۱۱۶
۲۱۔ اصول الفقہ الاسلامی، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، دار الفکر بیروت،۱۹۹۴ء ؛ بیسویں صدی میں اصول فقہ پر لکھی جانے والی کتب (ایک تحقیقی مطالعہ) ،ص ۱۶۶
۲۲۔ اصول فقہ کا ارتقائی مطالعہ تاریخی تناظر میں،ص ۳۲
۲۳۔ The Principles of Muhammadan Jurisprudence، سر عبد الرحیم، انڈس پبلشرز لاہور،۱۹۶۸ء
۲۴۔ فن اصول فقہ کی تاریخ، ص ۶۱۳
۲۵۔ اصول فقہ، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ، دائرۃ المعارف لاہور، س۔ن
۲۶۔ معجم الاصولیین ،ص ۲/۳۰۔۳۱ (۲۵۹)
۲۷۔ ہدیۃ العارفین ،ص ۶/ ۳۸۵
۲۸۔ ہدیۃ العارفین ،ص ۶/ ۳۸۸ ؛ معجم الاصولیین ،ص ۲/۱۳۴ (۳۷۸) ؛ الفتح المبین ،ص ۳/۱۶۰
۲۹۔ فقہ اسلامی کی نظریہ سازی ، ص ۲۱۰
۳۰۔ ایضاً ، ص ۲۱۱
۳۱۔ ایضاً ، ص ۲۱۰
۳۲۔ ایضاً ، ص ۲۱۲
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ علم اصول فقہ ایک تعارف ، ص ۱/۱۲۳
۳۵۔ ایضاً ، ص ۱/۱۲۴